© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۸/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۳ء

الامعان فی اقسام القرآن

ایک تعارف

فخر الاسلام اعظمی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ مثلاً چاند، سورج، تارے آسمان، روز وشب وغیرہ۔ ان سب کی حکمت وبلاغت تک رسائی نہ ہونے کی شکل میں ان قسموں سے متعلق ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ چنانچہ ان قسموں پر تین طرح کے شبہات وارد کیے جاتے ہیں:

۱۔ قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت کے منافی ہے۔ اپنی بات پر قسم وہ کھاتا ہے جو اپنی بات کو حقیر اور ضعیف سمجھتا ہے اور جس کو اطمینان نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی بات کو تسلیم کر لیں گے۔ خود قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (القلم: ۱۰) ہر ذلیل قسم کھانے والے کی بات نہ سنو۔

۲۔ قرآن مجید میں قسمیں نہایت مہتم بالشان چیزوں پر کھائی گئی ہیں مثلاً توحید، رسالت اور معاد ہر شخص جانتا ہے کہ ان امور میں قسم کھانا لاحاصل ہے۔ نہ اس سے مخالف کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ موافق کو۔ کیونکہ مخالف کو دلیل وحجت چاہیے اور موافق کو سب کچھ پہلے ہی سے تسلیم ہے۔

۳۔ آدمی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے ان کی عظمت وتقدس کی وجہ سے قسم کھاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو کیونکر یہ زیبا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کی قسم کھائے اور وہ بھی انجیر وزیتون جیسی چیزوں کی۔

متقدمین علماء میں امام فخر الدین رازیؒ (۱۱۴۹ھ۔ ۱۲۰۹ھ) اور علامہ ابن قیمؒ (۱۲۹۲ھ۔ ۱۳۵۰ھ) نے ان شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان کے جوابات سے اعتراضات کا ازالہ تو کم ہوا البتہ مزید شکوک وشبہات کے دروازے ضرور کھل گئے۔ بعد کے علمائے تفسیر نے مزید تحقیق وجستجو کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے انھیں دونوں بزرگوں کے پیش کردہ جوابات پر اعتماد کر لیا اور بیشتر انھیں کو دہراتے رہے۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں کو خود اپنے پیش کردہ جواب پر پورا اطمینان نہیں ہے بلکہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ متاخرین علمائے تفسیر میں امام حمید الدین فراہیؒ وہ پہلے مفسر نظر آتے ہیں جنھوں نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے ان قسموں کی ایک ایسی توجیہ اور اس سلسلے میں ایک ایسا جامع اصول پیش کیا ہے جس سے تمام گتھیاں خود بخود سلجھ جاتی ہیں اور نفس مسئلہ آئینہ کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ آئندہ سطور میں امام فراہیؒ کے اسی نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآنی قسموں کی مفاہیم و مطالب کے تعلق سے امام فراہیؒ نے ایک معرکۃ الآرا کتاب "الامعان فی اقسام القرآن" تصنیف فرمائی ہے۔ جو پہلی بار دار المصنفین اعظم گڑھ (سنہ ۱۹۳۰ء) اور دوسری بار کویت سے (سنہ ۱۹۸۰ء) شائع ہو چکی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحبِ "تدبر قرآن" نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ سطور ذیل قلم بند کرتے وقت راقم کے پیش نظر یہی اردو ترجمہ رہا ہے جو دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ سے طبع ہو کر بہت پہلے منظر عام پر آچکا ہے۔

مولانا فراہیؒ نے آغاز بحث میں پہلے قرآنی قسموں کے باب میں امام رازیؒ اور امام ابن قیمؒ کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اور اس کی کمزوریوں کی وضاحت کی ہے۔

امام رازیؒ کا نقطۂ نظر

امام رازیؒ نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل توضیحات پیش کی ہیں:

۱۔ سورہ صافات میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ قسم سے پہلے چونکہ دلائل بیان ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے اصل اعتماد ان دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ قسم پر، قسم محض تاکید کے لئے ہوتی ہے۔ امام رازیؒ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ خود قرآن سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دلائل کی وضاحت کے بعد جتنی قسمیں آئی ہیں ان سے کہیں زیادہ وحی کے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ امام رازیؒ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ قسم کو مقسم بہ کی تعظیم و تقدیس کے لئے ایک طرح کی تاکید سمجھتے ہیں چنانچہ سورہ ذاریات کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ "قسم سے مقصود مقسم بہ کی عظمت و جلالت پر تنبیہ کرنا ہے" یہی اصول انھوں نے سورۂ تین میں بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تین و زیتون کے عام معنی فرض کر کے انجیر و زیتون کے فوائد پر تقریر کی ہے۔ اس کے بعد ان کے مفروضہ پر کہ ان سے دو مسجدوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مقامات کی عظمت و تقدیس کو واضح کیا ہے۔ اس جواب سے تیسرے شبہہ کا کسی طرح ازالہ نہیں ہوتا کیونکہ جن چیزوں کی قرآن مجید میں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ کسی صورت میں بھی یہ مرتبہ نہیں رکھتیں کہ ان کا پیدا کرنے والا ان کی قسم کھائے۔

۳۔ امام موصوف کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، قسم کے قسم ہونے سے انکار کر دیتے ہیں کہ نہ قسم مانیں گے نہ شبہات و اعتراضات کے وارد ہونے کا امکان رہے گا۔

امام صاحب کے اس مسلک کا ضعف اس قدر واضح ہے کہ عربی زبان و ادب کا ذوق رکھنے والا کوئی شخص اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

دراصل قسموں کے باب میں امام رازیؒ کے نزدیک کوئی واضح فکر نہیں ہے، اس لئے وہ مضبوطی سے کسی ایک دلیل پر قائم نہیں رہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "تمام قسمیں دلائل ہیں جو قسموں کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں" کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "قسمیں کھا کر بت پرستوں کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ تمہاری بت پرستی اس قدر لغو اور بے بنیاد چیز ہے کہ اس کے لئے بس اسی قسم کی دلیل کافی ہے" گویا قسم دلیل تو ہوتی ہے مگر پھسپھسی اور کمزور۔ کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "عرب جھوٹی قسموں کے وبال سے بہت ڈرتے تھے۔ اس طرح ان قسموں کے ذریعہ ان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ دیکھو یہ نبی سچا ہے، اس لئے پھل پھول رہا ہے اگر وہ جھوٹا ہوتا تو تمہارے عقیدے کے مطابق وہ کب کا تباہ ہو چکا ہوتا۔"

علامہ ابن قیمؒ کا نقطہ نظر

قرآنی قسموں کے سلسلے میں علامہ ابن قیمؒ کے پیش نظر دو بنیادی اصول ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قسمیں اپنی ذات اور نشانیوں کی کھائی ہیں جہاں کہیں کسی مخلوق کی قسم کھائی ہے تو وہ بھی اصلاً اس کی ذات ہی کی قسم ہے، کیونکہ وہ چیز بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

۲۔ قرآن کی تمام قسموں کا مقسم علیہ تین متعین چیزیں ہیں، توحید، نبوت اور معاد۔ قسم خود بخود ان پر دلالت کرتی ہے۔

ان اصولوں کی بنیاد پر علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک مقسم علیہ کی کھوج کرید کی کوئی خاص ضرورت ان جگہوں پر بھی نہیں رہ جاتی جہاں مقسم علیہ مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ 'والعصر' اور 'والعادیات' کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہاں جواب قسم حذف کر دیا گیا، کیونکہ معلوم ہے کہ انھیں تین امور توحید، رسالت اور قیامت پر قسم کھائی جاتی ہے"۔

علامہ ابن قیمؒ آیات قسم کی تاویل و تفسیر کرتے وقت عموماً ان دو اصولوں پر قائم رہے ہیں۔ البتہ جہاں کہیں ان کو اشکال پیش آیا ہے وہاں انھوں نے مقسم علیہ کو محذوف مان کر قسم کو صفاتِ الٰہی قرار دیدیا ہے۔

علامہ موصوف کا یہ نقطۂ نظر امام رازیؒ کی توضیحات کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور مناسب ہے۔ لیکن یہ شبہ بدستور باقی رہتا ہے کہ مخلوق کے مقسم بہ ہونے میں کیا راز ہے؟ اگر قسم کسی اعلیٰ و اشرف چیز کی کھائی جاتی ہے تو کسی شے کا اس درجہ بلند ہونا کہ زمین و آسمان کا خالق اس کی قسم کھائے ایک ایسی بات ہے جس پر علامہ کے ان جوابات کے باوجود طبیعت کھٹکتی ہے۔

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی قسمیں آئی ہیں استدلال و استشہاد کے لئے آئی ہیں اور وہ دراصل فطری دلیلیں اور تاریخی شہادتیں ہیں جو قسموں کی صورت میں پیش کی گئی ہیں نہ تو وہ صفات الٰہی کی قسمیں ہیں جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ کا خیال ہے اور نہ ان کا تعلق تعظیم و تقدیس سے ہے جیسا کہ امام رازیؒ کا نظریہ ہے گویا امام فراہیؒ کے نزدیک ان لوگوں کا مسلک صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ یہ قسمیں دلیلیں ہیں لیکن یہ حضرات قسموں کو دلیل ماننے کے ساتھ ساتھ اس شبہ میں بھی گرفتار رہیں کہ قسم میں مقسم بہ کی تعظیم کا بھی پہلو ہوتا ہے۔ درحقیقت یہی وہ غلط فہمی ہے جو قرآن مجید کی قسموں کے باب میں تمام شبہات کا سرچشمہ بن گئی۔ اس لئے امام فراہیؒ نے سب سے پہلے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ قسم کو مقسم بہ کی تعظیم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس امر کی وضاحت کے لئے امام فراہیؒ نے سب سے پہلے قسم کی ضرورت اس کی ابتدائی حقیقت اور اس کی تاریخ بیان کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے۔

قسم کی ابتدائی حقیقت اور اس کی تاریخ

بعض اوقات آدمی مخاطب کو مطمئن کرنے کے لئے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کسی بیان یا وعدے کو تاکید کے ساتھ پیش کرے، خصوصیت کے ساتھ اہم قومی و اجتماعی معاملات میں ایسا کرنا بسا اوقات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناگزیر ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ، ایک بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ یا عام افراد آپس میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو باہمی اعتماد و اطمئنان کے لئے اس طرح کی تاکید و توثیق ضروری سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ چیز موافق کو مخالف اور دوست کو دشمن سے پہچاننے کا معیار قرار پا جاتی ہے۔

انسان کی اس تمدنی ضرورت نے طرح طرح کے طریقے اور خاص خاص الفاظ پیدا کر دئے جن سے لوگ اس تاکید کا اظہار کرنے لگے۔ یہی قسم کی اصل حقیقت ہے۔ اختصار کی غرض سے محض ان چند خاص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنھیں اپنی بات کی تائید کے اظہار کے طور پر ابتدا میں اختیار کیا گیا تھا۔

۱۔ رومیوں، عربوں اور عبرانیوں کا طریقہ یہ تھا کہ معاہدہ کے وقت ایک فریق دوسرے فریق کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا تو یہ فریقین کی طرف سے معاہدہ کی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ اس کی پابندی کا اظہار قرار پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قسم کے لئے "یمین" کا لفظ استعمال ہوا۔ ایک عرب شاعر جساس نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ساودی حق جاری

ویدی رھن فعالی

(میں اپنے پڑوسیوں کا حق ادا کروں گا اور میرے ہاتھ میرے کارناموں کے بدلے رہن ہیں)

۲۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جب بہت سے آدمی کسی معاہدے میں شریک ہوتے تو ایک طشت میں پانی بھرتے اور تمام شرکا، اس میں اپنا داہنا ہاتھ ڈالتے۔ اس طرح گویا ہر شخص نے ایک دوسرے کا داہنا ہاتھ پکڑ کر کسی بات پر اتفاق کیا ہے۔ کبھی یہ مشترک چیز پانی کے بجائے عطر ہوتی۔ اس کو سب ملتے اور شریک پیمان ہوتے۔ اس قسم کے معاہدے کی مثال "عطر منشم" کے قصے میں ملتی ہے۔ زہیر ایک شعر میں کہتا ہے

تدارکتما عبسا وذبیان بعد ما

تفانوا ودقّوا بینھم عطر منشم

(تم دونوں نے عبس اور ذبیان کو اس وقت سنبھالا جب وہ آپس میں لڑ کر فنا ہو چکے تھے اور منشم کا عطر تقسیم کیا تھا)۔

اسی طرح کبھی کوئی جانور ذبح کرتے اور اس کا خون فریقین اپنے اوپر چھڑکتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ دوستی کا رشتہ خون اور قرابت کے درجے کا ہے یا اس عہد کی حفاظت کے لئے فریقین اپنا خون تک بہا دیں گے۔ تورات میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی رسی ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتے اور اس طرح باہم حلیف بن جاتے چنانچہ لفظ 'حبل' (رسی) ذمہ اور جوار کے معنی کے لئے استعمال ہونے لگا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۱۲)۔ مگر اللہ کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے اور لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے۔

امرا القیس کا شعر ہے

انی بحبلک واصل حبلی

وبریش نبلک واصل نبلی

(میں تیری رسی کے ساتھ اپنی رسی جوڑوں گا اور تیرے تیر کے پر کے ساتھ اپنا تیر لگاؤں گا)

حطیہ نے اپنے ایک شعر میں اس کی اصل حقیقت بے نقاب کر دی ہے:

قوم یبیت قریر العین جارھم

اذا لوی بقوی اطنابھم طنبا

(یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا پڑوسی چین کے ساتھ سوتا ہے جب کہ ان کی رسی کے ساتھ اپنی رسی جوڑ لیتا ہے)۔

اس تفصیل کے آخر میں امام فراہیؒ لکھتے ہیں:

"یہ ساری تفصیل یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ قسم کا مقصود محض بات کی تاکید ہوتا ہے یا جس بات کے کر لینے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہے اس کے لئے عزیمت کا اظہار اور مقسم بہ کے ایسے لوازم میں سے نہیں ہے کہ جہاں اس کا ذکر نہ ہو خواہ مخواہ اس کو محذوف مانا جائے۔

اس بحث کے بعد امام فراہیؒ نے بعض مشہور الفاظ کی لغوی اور تاریخی تشریح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ "قسم کے لئے مقسم بہ سرے سے کوئی ضروری چیز نہیں ہے، اس کی تعظیم و تقدیس کا پہلو تو الگ رہا۔ ان الفاظ قسم کا اصل مفہوم و معنی بھی محض اپنی بات کی تاکید اور عزیمت کا اظہار ہے۔

قسم کا مفہوم جب کہ مقسم بہ موجود ہو

مقسم بہ والی قسموں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان کی حقیقت بس یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے ساتھ اپنے دعوٰی کی دلیل و شہادت کے طور پر مقسم بہ کو ملا لیا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان قسموں میں ... کا استعمال پایا جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو معیت وصحبت ظاہر کرنے والے حروف ہیں۔ "و" اور "ب" تو عام طور پر مشہور و مستعمل ہیں اور "ت" بھی حقیقت میں "و" ہے جو بدل کر "ت" بن گیا ہے اس کی مثال "تقویٰ" اور "تجاہ" وغیرہ ہیں۔

قسم کی اصل حقیقت

امام فراہیؒ نے محکم دلائل اور شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ "کسی شے کی قسم کا مطلب دراصل اس شے کی شہادت پیش کرنا ہے۔"

قسموں کے بارے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ قسمیں ہمیشہ سب کے سامنے ہوا کرتی تھیں اور دونوں فریق اپنی قسموں کو پورا کرنے کے لئے موقع پر موجود رہا کرتے تھے۔ کیونکہ آدمی اپنے تئیں سب کی نظروں کے سامنے جھوٹا ثابت کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ قرآن مجید سے بھی اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
(آل عمران: ۸۱-۸۲)

اور وہ وقت یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے بارے میں میثاق لیا۔ البتہ میں تم کو جو کتاب وحکمت دوں، اور پھر جب آئے تمہارے پاس کوئی رسول مطابق اس کے جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پوچھا کیا تم نے اقرار کیا تم نے اقرار کیا۔ کہا بس گواہ ہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس جنھوں نے منھ موڑا اس کے بعد وہی لوگ بدعہد ہیں۔

اس طرح کی تاکید کا اصل راز یہ ہے کہ جب آدمی کہتا ہے "اشہد" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کو اپنے علم و واقفیت اور مشاہدے کی بنیاد پر کہتا ہوں صرف دوسروں سے سن کر نہیں کہتا۔ اسی بنا پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا:

وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ (یوسف: ۸۱)

ہم نے شہادت دی مگر اس بات کی جو ہم نے جانی اور ہم غیب کے عالم نہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ "انا اشهد"، "والله يشهد"، "والله يعلم" وغیرہ الفاظ عام طور پر قسم کے لئے مستعمل ہیں۔ اس کی مثال ہماری زبان میں بھی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے" "درودیوار گواہ ہیں" "میدان کارزار شاہد ہے"۔ عربوں میں یہ طریقہ بہت عام تھا۔ مثلاً راعی کا شعر ہے

ان السماء وان الريح شاهدة
والارض تشهد والايام والبلد

(آسمان اور ہوا شاہد ہیں۔ زمین شاہد ہے۔ زمانہ اور شہر گواہ ہیں)۔

لقد جزيت بنى بدر ببغيتها
يوم الهباءة يوما ماله قود

(میں نے بنی بدر کو ہباءہ کی لڑائی میں ان کی سرکشی کا ایسا مزہ چکھایا جس کا بدلہ ممکن نہیں)۔

نابغہ کہتا ہے:

والخيل تعلم انا فى تجادلنا
عند الطعان اولو بوس وانعام

(گھوڑے جانتے ہیں (گواہ ہیں) کہ ہم نیزہ بازی میں جولانی کے وقت کسی کے لئے عذاب ہیں اور کسی کے لئے رحمت)۔

عنترہ کہتا ہے:

والخيل تعلم والفوارس اننى
فرقت جمعهم بطعنة فيصل

(گھوڑے اور شہسوار گواہ ہیں کہ میں نے ایک فیصلہ کن نیزہ بازی سے ان کی جمعیت منتشر کر دی)

ان اشعار پر غور کیجئے گھوڑوں، سواروں، زمین، آسمان اور ہوا وغیرہ کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو اور یہ جواب دے سکیں تو یہ ہمارے دعویٰ کی تائید و تصدیق میں فوراً بول اٹھیں گے۔ اس دعویٰ کی تائید فضیل بن عیسیٰ بن حبان کے وعظ سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں یہی اسلوب استعمال کیا ہے:

سل الارض من شق انهارك — زمین سے پوچھو تیری نہریں کس نے جاری کیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغرس اشجارك وجنى ثمارك فان لم تجبك حوارًا اجابتك اعتبارًا۔

تیرے درخت کس نے لگائے۔ تیرے پھل کس نے چنے اگر زبان قال سے جواب نہ دے سکے گی تو زبان حال سے ضرور جواب دے گی۔

چونکہ بیان کے اس طریقہ سے واقعہ کی صحت اور مخاطب کو یقین دلانا پیش نظر تھا اس لئے آہستہ آہستہ یہ طریقہ قسم کے معنی میں مستعمل ہونے لگا یعنی شہادت پیش کرنا اور قسم کھانا بالکل مرادف ہوگیا۔ عمرو بن معدی کرب کا ایک شعر ہے

اللہ یعلم ما ترکت قتالھم

حتی علوا فرسی ماسفر مذبد

(خدا گواہ ہے کہ میں نے ان سے مقابلہ نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ سرخ اور جھاگ والے خون کے ساتھ میرے گھوڑے پر چھا گئے)

اس شعر میں اللہ جانتا ہے، کا لفظ شاعر نے قسم کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اُردو میں بھی قسم کے مواقع پر کہا جاتا ہے "اللہ جانتا ہے"، "خدا گواہ ہے"، "اللہ شاہد ہے"۔ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہوں پر شہادت کے الفاظ قسم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ سورۂ نور میں ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور اس سے سزا کو یہ بات دفع کر سکتی ہے کہ وہ چار قسمیں کھائے کہ وہ جھوٹا ہے۔

(النور: ۸)

اس آیت میں صراحتاً لفظ 'شہادت' قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سارے قضیہ کو سورۂ منافقون کی ایک آیت چکا دیتی ہے جس میں 'شہادت' اور 'اشہاد' تصریح کے ساتھ قسم کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

(المنافقون: ۱-۲)

جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں صاف طور پر منافقین کی 'شہادت' کو "یمین" یعنی قسم کہا گیا ہے۔ حالاں کہ منافقین نے قسم کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ 'نشہد' کو قسم قرار دیا ہے۔

یہ تفصیل اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قسم سے مقصود محض اپنی بات پر دلیل و شہادت پیش کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اہلِ عرب بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی شہادت میں پیش کرتے ہیں جن کو نہ پوجتے تھے اور نہ ان کی کسی طرح تعظیم کرتے تھے۔ مثلاً آسمان، زمین، جنگجو، گھوڑے، شہسوار، نیزہ اور اس کی نوک، تلوار اور اس کی دھار، چھریاں، دیگیں اور اونٹنیاں وغیرہ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قسم کی اصل شہادت کے لئے ہے لیکن چونکہ اس کا استعمال زیادہ تر تعظیم کے لئے ہے اس لئے آپ اس کا یہی مفہوم باقی رہ گیا ہے اور اصل مفہوم یعنی شہادت بالکل غائب ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت وارد ہے۔ پس اس کے اصل مفہوم یعنی شہادت کو کس طرح تسلیم کیا جائے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس خاص مفہوم کی طرف رہنمائی خود قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اختصار کے پیش نظر محض چند دلائل پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ قرآن مجید نے ایک لفظ کبھی بندے کے لئے استعمال کیا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ایسی صورت میں لامحالہ لفظ کے مختلف مفاہیم میں فرق کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو اس کی عظمت و تقدیس کے منافی ہو۔ مثلاً لفظ 'صلوٰۃ' جب بندے کی طرف سے ہو تو دعا کے معنی میں ہے اور جب اللہ کی جانب سے ہو تو رحمت کے مفہوم میں ہے۔ حق یہ ہے کہ ہماری لغت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کو ہم اس فرق کے لحاظ کے بغیر استعمال کرتے ہوں۔ بعینہٖ یہی طریقہ قسم کے مفہوم میں بھی اختیار کرنا ہوگا اگر ہم قسم سے شہادت و دلیل کے ساتھ ساتھ عظمت و تقدیس کا بھی مفہوم مراد لیں تو یہ مفہوم خدا کے لئے مناسب اور شایانِ شان نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے بعض چیزوں کو اپنے لئے معظم و مقدس بنالے کا خصوصاً ایسی چیزیں جن میں عظمت و تقدیس کا کوئی پہلو بھی نہ ہو مثلاً تین و زیتون، دوڑنے والے گھوڑے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غبار اڑانے والی آندھیاں، وغیرہ۔

۲۔ حمل النظیر بالنظیر اور تفسیر الآیات بالآیات کا اصول بھی رہبری کرتا ہے کہ قسم سے مقصود دلیل و شہادت ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کبھی تو دلائل و شواہد کو سادہ اسلوب میں بیان کرتا ہے اور کبھی ان کے لئے قسم کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً سادہ اسلوب میں فرمایا گیا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ٥ (البقرہ: ۱۶۴)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور دن کی آمد و شد اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے لئے نفع رساں سامان لے کر سمندروں میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اور اس سے زمین کو خشک ہونے کے بعد شاداب کیا اور اس میں طرح طرح کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں

اب سادہ اسلوب والی آیات پر نظر ڈال کر دیکھئے وہ کیا چیزیں ہیں۔ آسمان، زمین، سورج چاند، رات، دن، فجر، وقت چاشت، ہوا، ابر، پہاڑ، سمندر، شہر، انسان، باپ، بیٹا، نر مادہ وغیرہ ظاہر ہے یہ وہی چیزیں ہیں جو سادہ اسلوب میں بطور دلیل و شہادت پیش کی جاتی ہیں ان کو تعظیم کے مفہوم میں لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

۳۔ مقسم بہ اور مقسم علیہ میں نہایت واضح مناسبت ہوتی ہے اگر کوئی صاحب نظر ادنیٰ تامل سے کام لے تو مقسم علیہ کے ساتھ مقسم بہ کے تعلق کو پا سکتا ہے۔ امام رازیؒ بطور اصول قسم کو تعظیم کے لئے سمجھتے ہیں تاہم سورۂ ذاریات کے شروع میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے اندر دلیل و شناخت ہونے کی جھلک انکو بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہاں لکھتے ہیں:

انها کلها دلائل اخرجها فی صورة الایمان

یہ سب دلائل ہیں جو بطور قسم پیش کئے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

۴۔ بعض جگہ مقسم بہ کے بعد ایسی تنبیہات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اہل نظر

© rasailojaraid.com

کے سامنے بطورِ دلیل و شہادت پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ فجر میں قسمیں کھانے کے بعد فرمایا گیا:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ   کیا اس میں عقلمند کے لیے قسم ہے۔

(الفجر: ۵)

یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسی کہ بالعموم دلائل کے ذکر کے بعد قرآن میں آتی ہے۔ مثلاً سورۂ نحل میں بہت سے دلائل پیش کرنے کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝   بلاشبہ اس میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(الرعد: ۴)

سورۂ طٰہٰ میں ہے "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى"۔ آل عمران میں ہے "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لِاُولِي الْاَبْصَارِ ۝"

اسی عام اسلوب کے مطابق سورۂ فجر میں بھی قسمیں کھانے کے بعد فرمایا کہ ان قسموں میں اہلِ عقل و بصیرت کے لئے بہت سے دلائل پوشیدہ ہیں۔

قسم کا مفہوم تعظیم کے پہلو سے

تعظیم یا تقدیس قسم کے لازمی شرائط میں سے نہیں ہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہیں۔ خاص خاص صورتوں میں یہ مفاہیم پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے اصولی مفہوم یعنی دلیل و شہادت کے فرع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام فراہیؒ نے تعظیمی قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ مقسم بہ مخاطب یا متکلم کی طرف مضاف ہو۔ نیز اس کے لئے مخصوص الفاظ ہوتے ہیں مثلاً لعمرك، لعمر ابيك وجدك ولجزتك۔ اور جب مقسم بہ مخاطب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مقصود مخاطب کی عزت و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝   تیری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے ہیں۔

(الحجر: ۷۲)

اس قسم سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام کا اظہار ہے اور جب مقسم بہ کی اضافت متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس سے خود اپنی عزت و عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لعمری وما عمری علیّ بھیّن

لقد نطقت بطلا علی الاقارع

(میری جان کی قسم اور میری جان کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بنی قرع بن عوف نے میرے بارے میں بے اصل باتیں کہی ہیں)

اس قسم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قسم ایسی چیز کی کھائی جائے جس کا احترام اور جس کی جس کی عزت مخاطب کی نظروں میں مسلم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کی ان قسموں کا جن میں ذاریات عادیات، خنس وغیرہ کے قبیل کی چیزیں مقسم بہ ہیں تعظیمی قسموں سے بالکل علیحدہ ہیں۔

قسم کا مفہوم تقدیس کے پہلو سے

تقدیس کے پہلو سے قسم کی تفصیل وتشریح کرتے ہوئے امام فراہیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ”دینی و مذہبی قسموں کا مقصود بھی دراصل اللہ کو گواہ بنانا ہے۔ پھر اس سے اس کے وکیل وکفیل ہونے کا مفہوم بھی پیدا ہوگیا۔ بعض قسم کھانے والوں کی ذہنیت یہ ہوتی تھی کہ اگر انھوں نے اس قسم یا عہد میں جھوٹ اور فریب کو راہ دی تو موجب قہر الٰہی ہوگا۔ نابغہ کے مندرجہ ذیل شعر میں یہ تصور پوری طرح نمایاں ہے:

فلا لعمر الذی مسحت کعبتہ

وما ھریق علی الانصاب من جسد

(بس نہیں، اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور اس خون کی قسم جو تھانوں پر بہایا گیا)

والمومن العائذات الطیر تمسحھا ... رکبان مکۃ بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو پرندوں کو پناہ دیتی ہے جن پر غیل و سعد کے درمیان مکہ کے قافلے گزرتے ہیں لیکن ان کو چھیڑتے ہیں)۔

ماقلت من سیء مما اتیت بہ ... اذا فلا رفعت سوطی الی یدی

(کہ میرے متعلق جو غلط بات تم کو پہنچائی گئی ہے وہ میں نے نہیں کہی ہے۔ اگر میں نے وہ بات کہی ہو تو میرے ہاتھ شل ہوجائیں

اذًا فعاقبنی ربی معاقبۃ ... قرت بھا عین من یاتیک بالفند

(اور یہ رب مجھ کو [illegible] کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان اشعار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دینی قسموں کی اصل حقیقت بھی شہادت ہے۔ ان میں تعظیم کا مفہوم محض مقسم بہ کی جہت سے داخل ہوگیا ہے۔ قسم کے اصل مفہوم یعنی شہادت کی جہت سے نہیں داخل ہوا ہے۔

گزشتہ سطور میں قرآنی قسموں کی حقیقت اور اس کے مفہوم پر جو تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام فراہیؒ نے کس طرح قرآنی دلائل، لسانی شواہد اور ناقابلِ تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنے اس نقطۂ نظر کو ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تمام قسمیں استدلال وشہادت کے لیے ہیں۔ یہ فطری دلائل اور تاریخی شواہد ہیں جو قسم کے پیرائے میں پیش کیے گئے ہیں۔ امام فراہیؒ کو اپنے اس نقطۂ نظر پر اس قدر اطمینان اور اعتماد حاصل ہے کہ اپنی تفسیر "نظام القرآن" میں جہاں کہیں قسموں پر گفتگو کی ہے اسی جہت سے کی ہے اور اسی اصول پر تمام آیات قسم کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ وہ اپنے اس اصول ونظریہ پر از اول تا آخر قائم رہے۔ کہیں بھی اس اصول کا دامن ان سے چھوٹنے نہیں پایا اور نہ کہیں وہ تحیر واضطراب کا شکار ہوئے۔ طوالت کے اندیشے سے ان کی تفسیر سے مثالیں نہیں پیش کی جارہی ہیں۔

امام فراہیؒ نے اپنی کتاب "الامعان فی اقسام القرآن" کے آخر میں اس امر سے بھی تفصیلی بحث کی ہے کہ استدلال واستشہاد کا یہ اسلوب محض تنوع کی خاطر نہیں اپنایا گیا ہے بلکہ اس میں بے پناہ بلاغتیں اور گوناگوں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ کوئی دوسرا اسلوب اس سے زیادہ موثر بلیغ اور جامع دلائل نہیں ہوسکتا۔

مولانا نے آخر میں قسموں کی اس اصل حقیقت سے علماء کی چشم پوشی کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسا غور وفکر کی کمی، بعض قسموں سے مترشح ہونے والے عظمت وشرف کو تمام قسموں کی کلید بنالینے اور مروجہ اصولوں کو جانچے پرکھے بغیر تسلیم کرلینے کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فراہیؒ عام روش سے ہٹ کر اپنی مجتہدانہ بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی قسموں سے متعلق ایک ایسا نظریہ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس کی تائید اسلوبِ قرآنی، تاریخی شواہد اور کلام عرب سے ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com